غالب کی فارسی رباعیات

پروفیسر عبدالقادر سروری

رباعی غالب کی فکر کے ایک پہلو کے طور پر کبھی نمایاں صنف نہیں سمجھی گئی، اور شاید ہی کسی نقاد نے ان کو رباعی گو شاعر کی حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کی ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غالب کی رباعیاں توجہ کی مستحق نہیں رہیں۔ ان کی رباعیوں کی اہمیت اپنی جگہ قائم ہے، لیکن بہ حیثیت اُستاد غزل اور فارسی میں قصیدہ گو شاعر کی حیثیت سے ان کی شہرت نے ان کی رباعیوں کو اوجھل رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ غالب ایک ہمہ گیر طبیعت لیکر پیدا ہوئے تھے۔ جہاں انہوں نے غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ میں معرکے کا کلام سرانجام کیا۔ رباعی پر بھی شایستہ انداز سے طبع آزمائی کی۔

ہماری پُرانی شاعری کئی اعتبار سے روایت کی پابند تھی۔ کچھ مضامین کی پابندی کی روایت، کچھ اصناف کی رعایت اور روایت پرستی کے اس جکڑنے ہمارے بہت سے ذہین شعرا کو اپنے اصلی مقام تک بلند ہونے نہ دیا۔ غالب بھی بہت سی روایتوں سے بغاوت کے باوجود، اصناف کی پابندی کی روایت سے خلاصی نہ پا سکے۔ لیکن مروّجہ اصناف سے ہٹ کر وہ خلا میں لکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ وہ اپنے سماجی اور لسانی طبقے کے لیے لکھ رہے تھے وہ اپنے سماجی اور لسانی طبقے کے لئے لکھ رہے تھے۔ اس طبقے کی ادبی روایات کے مطابق وہ اُستاد مانے نہیں جا سکتے تھے، جب تک ساری مروّجہ اور مسلّمہ اصناف میں اپنی طبیعت کے جوہر نہ دکھا سکیں۔ یہ بات ٹھیک بھی ہے کہ وہ متداولہ اصناف کی پابندی سے بچ نہیں سکتے تھے اور اپنی ساری اُپج کے ساتھ وہ زیادہ سے زیادہ ان میں اندرونی انقلاب پیدا کر سکتے تھے، جو انہوں نے کیا، اور کہیں کہیں اصناف کے اندر محدود رہ کر کچھ جدّت دِکھا سکتے تھے یہ بھی انہوں نے کر دکھایا چنانچہ انہوں نے غزل خاص طور پر اردو غزل کو مرثیہ اور مدح کے مضامین کے لئے بھی برتنے کی کوشش کی مثلاً عارف کا مرثیہ اور تجمّل حسین خاں کی مدح انہوں نے غزل میں لکھی۔

اصل بات دیکھنے کی یہ ہے کہ غالب بیرونی روایات کی پابندی کرتے ہوئے بھی اردو غزل میں سرآمد شعرا کے مرتبے تک پہنچ سکے اور مکاتیب نگاری میں ایک نئی راہ کھول سکے، اور فارسی شاعری اور انشا پردازی میں، وہ کلاسیکی ادیبوں کے مقام تک بلند ہوئے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان کی فکر کے

بعض لازوال عناصر اور کچھ عالمی فلسفیانہ رجحانات کی بدولت جہاں وہ کلاسیکی اردو شاعری کے لئے ایک معیار اور اردو شاعری میں ایک نئے عہد کے پیش رو بن گئے۔ فارسی شاعری اور انشاپردازی کو ہندوستان میں فارسی ادب کے آخری عہد میں باکمال اساتذہ ایران کے معیاروں تک بلند کر کے، ہندوستان کی عظمت قائم کر گئے۔ یہاں تک کہنے میں بھی حرج نہیں کہ اگر اہلِ ایران، ایرانیت کے جذبے سے مغلوب نہ ہو گئے ہوتے اور عربوں سے قومی منافرت کے سبب، ان کی عظیم زبان کے الفاظ کو اپنی زبان سے خارج کرنے کے درپے نہ ہو گئے ہوتے اور ان کی جگہ ایران پاستان کی حقیقی یا فرضی لفظیات کے احیاء کی کوشش سے فارسی زبان میں اتنی نمایاں تبدیلی کا باعث نہ بن گئے ہوتے تو انیسویں صدی سے ادھر کے ایرانی سخنوار میں بھی غالب کا ایک نمایاں مقام ہوتا، اور وہ اور بیدل، اور غنی وغیرہ کے ساتھ محض کلاسیکی شاعر بن کر نہیں رہ جاتے۔

غالب کی فارسی رباعیوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ ان کے دیوان میں دو سو تین رباعیاں ہیں، اور ایک رباعی مستزاد۔ اس تعداد میں اگر کلیاتِ فارسی کی تقریظ میں آنے والی دو رباعیاں بھی شامل کریں تو کل دو سو چھ رباعیاں ہو جاتی ہیں۔ رباعیات کی یہ تعداد بہت سے ہندوستانی اور شعراء کے مقابلے میں نمایاں نہیں ہے۔ یہ رباعیاں وقتی تاثرات کے اظہار کے اچھے مختصر نمونے سہی، ان کا کوئی خاص رنگ نہیں، ایسا رنگ جیسا کہ ابوسعید، ابوالخیر یا عمر خیام کی رباعیات میں ملتا ہے، نہیں ہے۔ اسی لئے یہ دعوٰے نہیں کیا جا سکتا کہ غالب کی شہرت میں، ان کی رباعیات کا بھی کچھ حصّہ ہے۔

غالب کی رباعیاں مختلف اور متنوع موضوعات پر لکھی گئی ہیں۔ ایک دو رباعیاں خود اپنے یا اپنے خاندان کے بارے میں ہیں، ایک دو رباعیاں ان کے مسلک اور عقیدے پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اور اکثر رباعیوں کے موضوع وقتی حکیمانہ تاثرات ہیں۔ سات رباعیاں، اپنے ممدوح بہادر شاہ ظفر کے بارے میں کہی ہیں۔ تین رباعیاں ہجویہ انداز رکھتی ہیں۔ ان میں سے ایک میں کسی ہم عصر کی ہجو ہے۔ لیکن غالب کی شرافت کے تقاضے نے اس کا نام لینے نہیں دیا۔ ایک رباعی جو ابنائے زمان کی ہجو میں ہے یہ ہے۔

ہر چند زمانہ مجمع جہال است — در جہل نہ حال شاں بیک منوال است
کو دن ہمہ، لیک از یکی تا دگری — فرقِ خر عیسیٰ و خر دجال است

ایک رباعی اپنے گھر کے بارے میں کہی ہے جو حسب ذیل ہے :-

در کلبۂ من اگر غباری بینی !   بیچارہ بخویش ہمچو ماری بینی
تنگ است چنانکہ دائم از صحن   از جرم فلک ستارہ واری بینی

سوہن ندی کے پانی کی تعریف میں غالب نے ایک بہت ہی نفیس رباعی لکھی ہے :-

خوشتر بود آب سوہن از قند و نبات   با وی چہ سخن ز نیل و جیحون و فرات
ایں پارہ عالمی کہ ہندش نامند   گوئی ظلمات و سوہن است آب حیات

یہ رباعی بڑی قدر رکھتی ہے۔ یہ رباعی اور ان کی مثنوی چراغ دیر، ان کے بعض اور اشعار کے شامل کر، اپنے وطن کی خوبیوں کے بارے میں غالب کے تاثرات کا بڑا اچھا نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ سرزمین بنگالہ سے بھی غالب کتنی طرح سے متاثر تھے۔ اس کی دلکشیوں کا کچھ بیان انہوں نے اپنے اردو اشعار میں کیا ہے، فارسی میں دو رباعیاں بنگالہ کے بارے میں کہی تھیں۔ جن میں ایک رباعی یہ ہے :-

ہر چشمہ بہ بحر ہم عنان است ایں جا   ہر خار بنی ثمر فشاں است ایں جا
از حاصل بنگالہ مپرس   نی خامہ ہمہ شکر فشان است ایں جا

دوسری رباعی میں انہوں نے بنگالہ کی آب و ہوا کا تذکرہ اپنے ذاتی تجربے کی بناء پر اس طرح کیے ہیں :-

غالب ہر پردہ نوائے دارد   ہر گوشہ از دہر فضائی دارد
ہر چند بپوست از دماغم یکسر   بنگالہ شگرف آب و ہوائی دارد

معراج نبوی کے بارے میں ایک رباعی ہے، جس کا آغاز حکیمانہ ژرف نگاہی سے کرتے ہیں اور معراج کی رات میں واقع ہونے کی زومفہوم توجیہ پیش کرتے ہیں۔ تین رباعیوں میں احباب کی طرف اشارہ ہے۔ ایک جس کے پاس سے خط کے جواب دیر میں آتے تھے۔ ایک جس نے کہا تھا کہ غالب مجھے مت بلائیں تیری مرگ ہوں، اسے غالب کہتے ہیں:

"برگفتۂ خویش باش و ناخواندہ بیا"

ایسی رباعیاں جن میں غالب نے حکیمانہ افکار کو جگہ دی ہے، کئی ہیں۔ ایک رباعی میں انہوں نے زر و دولت کے لٹنے پر رنج و غصہ سے باز رہنے کا مشورہ اپنے خاص انداز سے دیا ہے۔ کہتے ہیں :-

باید کہ دلت زغصہ درہم نشود   از رفتن زر دستخوش غم نشود
این ہیم و در است، خواہ این سیم و زر است   غم نیست کہ ہرچند خوری کم نشود

ایک اور رباعی میں انہوں نے بے سروسامانی کو، سروسامان کی تلاش میں لوگوں کے سامنے عجز و انکسار کا رویہ اختیار کرنے کے مقابلے ترجیح دی ہے۔ رباعی ہے ؎

ہرچند نواں بے سروسامان بودن   بازیچہ خوئی زشت نتواں بودن
باللہ کہ زدشنہ بر جگر سخت تراست   از کردۂ خویشتن پشیمان بودن

زاہد کی تمناؤں کی معراج ارم ہے۔ اور ارم شداد کی جنت کا بھی نام تھا۔ غالب کے ذہن میں خیال سے خیال اس طرح پیدا ہوتا ہے۔

ہرکس ز حقیقت خبری داشتہ است   بر خاک رہ عجز سری داشتہ است
زاہد ز خدا ارم بدعوائے طلبد   شداد ہمانا پسری داشتہ است

تاہل کی زندگی سے غالب کی آزاد فطرت ہمیشہ گھبراتی رہی۔ بہت سے لطیفے اس سلسلے میں مشہور ہوگئے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی دو رباعیاں بڑی دلچسپ ہیں۔ ایک میں کہتے ہیں جو شخص شادی کرتا ہے۔ عقلمند نہیں ہے اور اپنے دعوے پر حجت پیش کرتے ہیں:۔

آن مرد کہ زن گرفت دانا نبود   از غصہ فراغتش ہمانا نبود
دارد بجہان خانہ و زن نیست درو   نازم بخدا چہ توانا بود

دوسری رباعی ـــ ایک شخص کے بارے میں ہے جو تندہی کے ساتھ حج کو جانے کی تیاری کر رہا ہے۔ غالب اس کی تندی کو دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اس کے گھر میں ضرور ستیزہ جو بیوی ہے۔ رباعی ہے:۔

ای آنکہ براہ کعبہ روی داری!   نازم کہ گزیدہ آرزوئی داری
زین گونہ کہ تند می خرامی دانم   در خانہ زن ستیزہ خوئی داری

جنت کے بارے میں غالب کا جو عقیدہ تھا یا زیادہ صحیح یہ ہے۔ زاہد کی جنت سے وہ جیسے بدعقیدہ تھے۔ ہم سب جانتے ہیں۔ اسی جنت کے تعلق سے وہ زاہد کا مذاق ایک رباعی میں اس طرح اُڑاتے ہیں ؎

Scanned with OKEN Scanner

گر دیدن زاہدان بجنّت گستاخ !   وین دست درازی بہ ثمر شاخ بشاخ
چون نیک نظر کنی ز روی تشبیہ،   مانند بہ بہائیم و علف زار فراخ

ایک رباعی میں انہوں نے بڑے شاعرانہ انداز میں اپنی بے سر و سامانی اور افراطِ خواہشات کی شکایت رنگین یزدانِ پاک کی بارگاہ میں کی ہے کہتے ہیں :-

ای آنکہ دہی مایہ کم و خواہش بیش !   آمرزکہ وقت باز پرس آید پیش
بگذار مرا کہ من خیالی دارم   با حسرت عیش ہای ناکردہ خویش

متاعِ عشق کے عطیے کی خواہش ایک رباعی میں کی ہے :-

یارب نفس شرارہ بیزم بخشند   یارب مژہ ہای دجلہ ریزم بخشند
بی سوز غم عشق مبادا زنہار   جانی کہ بروز رستخیزم بخشند

باری تعالیٰ ہی کی بارگاہ میں ایک اور معروضہ یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ اے باری تعالیٰ سارے عالم کو خوش و خرم رکھ۔ اور یہ سارے اہلِ مذاہب، جنت کے دعویدار ہیں اور اپنے سوا دوسرے کو اس کا حقدار نہیں مانتے۔ ان کو رواداری عطا فرما اور جنت انہیں کو عطا فرما جو آدمیت کی خو رکھتے ہیں :-

یارب بجہانیان دلِ خرم دہ   در دعوی جنت آشتی باہم دہ
شداد لپیر نداشت باغش از تست   آن مسکن آدم بہ بنی آدم دہ

ایک رباعی میں عالمِ بے زری کی تلخیوں کا ذکر کر کے تمنا کرتے ہیں کہ کاش صوم و صلوات کے فریضہ کو بھی حج اور زکواۃ کی طرح مال سے وابستہ کیا جاتا :-

در عالمِ بے زری کہ تلخ است حیات   طاعت نتوان کرد بامید نجات
ای کاش ز حق اشارتِ صوم و صلوات   بودی بوجود مال چون حج و زکوات

مستزاد رباعی غالب نے صرف ایک لکھی ہے۔ جو حسبِ ذیل ہے :-

گر در طلبت دوست بود پاسے نو سفت   غمگین مشو
ور خود یابشی بہ جستجو چا یک و چست   مغرور مشو
اخلاص بہ نسبت است و نسبت از لیست   چون شبنم و مہر

گر جذبہ قوی نشاد و پیوند درست   بے خودی کرد

آخری عمر میں غالب سُننے سے معذور ہو گئے تھے۔ اور اس معذوری سے وہ اپنی طبیعت کے مخصوص انداز کے مطابق یہ فائدہ اُٹھاتے ہیں ؎

دارم دلِ شاد و دیدہ بینائی   وز کرئ گوشم نبود پروائی!
خوب است کہ نشنوم زہر خود رائی   گلبانگ "انا ربکم الاعلیٰ"

ایک رباعی جو غالب نے اُس وقت لکھی تھی، جب وہ موت کی تمنا کر رہے تھے، بڑی ہی حسرت آگین اور اندوہ ناک ہے ؎

اوراقِ زمانہ دانوشتیم و گذشت   در فنِ سخن یگانہ گشتیم و گذشت
می بود دوائی ما بہ پیریِ غالب!   زاں نیز بہ ناکام گزشتیم و گذشت

رُباعی کا فن بہت نازک فن ہے۔ ایک مخصوص وزن کی خصوصیت کے علاوہ ایک اور لزوم مضمون کی وحدت کا بھی ہے۔ یہ دونوں مرحلے بڑے نازک ہیں۔ شاعر جب ان سے گذر کر اس کے معنوی اور جمالی پہلو پر پہنچتا ہے۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ سوائے باکمال اساتذہ کے رباعی کا حق ادا کرنے میں بہت کم سخنور کامیاب ہوئے۔ رباعی میں صرف ایک مضمون پیش کرنے کا لزوم ہے جس کو پہلے مصرعے میں روشناس کرایا جاتا ہے۔ بعد کے مصرعے میں مضمون کا ارتقائی شکل میں آتا ہے اور تیسرے مصرع میں وہ منتہا پر پہنچ جاتا ہے۔ چوتھے مصرع میں قاری کی دلچسپی جس خاتمہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے اس طرح اس نقطۂ نظر سے رباعی جدید ترین انداز کا مختصر ترین منظوم ڈرامہ بن جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ عمر خیام نے رباعی میں جو کمال پیدا کیا وہ غالب کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس کے باوجود ان کی رباعی ہندوستانی فارسی گو اساتذہ کی فکرِ طبع کا عمدہ نمونہ ہے۔ ۵

Scanned with OKEN Scanner